کے کسی گوشہ کا انتخاب نہیں کر سکتا۔ تو آسان مرحلہ یہی نظر آیا کہ سلف ہی کی کوئی نصیحت نقل کر دوں تاکہ واجب بھی پورا ہو جائے۔ اور اپنی نا اہلی بھی ڈھکی مندی رہ جائے۔

سلف صالحین کی مبارک عادت یہ تھی کہ جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے تو رخصت ہونے والا کسی نصیحت کی فرمائش کیا کرتا تھا۔ اور اس پر عموماً نصیحت یہ کی جاتی تھی کہ اوصیک بتقوی اللہ۔ میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور احتیاط کے ساتھ اپنا بچاؤ کرتے رہو۔ یہ اتنی ہمہ گیر نصیحت ہوتی تھی۔ کہ غور کیا جائے۔ تو اس نصیحت کے دائرہ میں سارا دین آجاتا ہے۔ کیونکہ تقویٰ کا عمومی درجہ تو یہ ہے کہ آدمی اسلام کو مضبوط تھام کر، کفر و شرک سے بچتا رہے۔ اس سے اگلا مقام یہ ہے۔ اسلام کے ساتھ اخلاص کو سنبھال کر نفاق سے مجتنب رہے۔ اور اس کے بعد تقویٰ کا اگلا مرتبہ یہ ہے کہ اسلام و اخلاص کے ساتھ اتباع سنت کو تھام کر بدعات و محدثات سے گریزاں رہے۔ اس کے بعد تقویٰ کا مقام یہ ہے کہ صلاح و رشد کو سنبھال کر فسق و فجور اور معاصی سے بچتا رہے۔ پھر اس کے بعد کا تقویٰ یہ ہے کہ ضروریات دین کے دائرہ میں رہ کر لایعنی اور فضولیات سے محترز رہے۔ جیسے فضول طعام، فضول لباس فضول کلام وغیرہ۔ اور اس کے بعد کا مقام یہ ہے کہ کارآمد اور نافع امور کے دائرہ میں محدود رہ کر لایعنی اور عبث باتوں سے گریزاں رہے۔ اب آپ سلف صالحین کی فراست و ذکاوۃ اور عزیمت و ہمت اور علم و درایت کا اندازہ کریں کہ ایک مختصر سا لفظ تقویٰ کا اختیار دین کے سارے راستے ہی نہیں کھول دیتے۔ بلکہ ایک جملہ سے سارے دین کی نصیحت فرمادی۔ ایسی جامع نصیحت کے ہوتے ہوئے پھر ہمارا منہ کیا رہ جاتا ہے۔ کہ ہم اپنی طرف سے کسی نصیحت کا انتخاب کریں اور کریں گے، تو وہ ناتمام ہی ہوگی۔ اس جامعیت کی حامل نہ ہوگی۔ اس لئے نصیحت کی بجائے نقل نصیحت سے آپ کے ایما کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ اور اپنے جہل کا پردہ بھی ڈھکا رہ جاتا ہے۔

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔ اسی کے ساتھ اس میں ایک اضافہ اور کیجئے کہ اس جامع ترین حقیقت یعنی تقویٰ کی امنگ پیدا کرنے کا طریقہ صحبت صلحاء اور معیت اہل اللہ ہے۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند کہ اس کے بغیر تقویٰ کی حقیقت جو علمی مقام ہے۔ اور تقویٰ پہ گامزنی جو عملی مقام ہے۔ سامنے نہیں آسکتی۔ اور نہ ہی اس کے گوشے واشگاف ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس لئے جہاں بنی آدم کو تقویٰ کا امر کیا ہے۔ وہیں صحبت صلحاء کا حکم قطعی بھی دیا ہے۔ اور فرمایا یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصٰدقین۔ اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو۔ (اللہ سے

ڈرتے رہو) اور سچوں کی معیت اختیار کرو۔ معیت سبب ہے، اور تقویٰ اس کا نتیجہ ہے۔ اس لئے یہ نصیحت سلف صالحین کی سنت ہونے کے ساتھ قرآنی ہدایت بھی ثابت ہوتی ہے۔ سو جب قرآن نصیحت کرے اور اہل قرآن اس کے عمل درآمد کا راستہ بتلا دیں۔ تو آگے نصیحت اور کیا رہ جاتی ہے، جو کی جائے۔

اس نصیحت کا تعلق حقیقتاً قلب اور باطن سے ہے۔ گو انجام کار اس کا ظہور قالب پر ہوتا ہے۔ لیکن ایک اور نصیحت خالص عملی ہے۔ جس کا سرچشمہ قلب اور باطن ہے۔ اور وہ نصیحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ اوصنی یا رسول اللہ واوجز۔ (یا رسول اللہ کوئی نصیحت فرمائیے مگر مختصر) فرمایا: صَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ۔ ہر نماز اس طرح پڑھ کہ جیسے تجھے دنیا سے رخصت کیا جا رہا ہے۔ اور یہ نماز شاید آخری نماز ہے۔ کہ اس کے بعد نماز کا موقع نہ مل سکے گا۔ ظاہر ہے کہ جب ہر نماز کو آدمی آخری نماز سمجھ کر پڑھے گا۔ تو کس درجہ خشوع و خضوع اور حضور قلب کے ساتھ پڑھے گا۔ کہ ساری ہمت باطن اسی میں صرف کر دیگا۔ اور جب ہر نماز ایسی ہی کمال خضوع اور تکمیل آداب و شرائط صلوٰۃ کے ساتھ ہوگی۔ تو اس کی ساری عمر کس درجہ تقویٰ و طہارت، ہمت و عزیمت اور طاعت و قربت لئے ہوتی ہوگی۔؟

ظاہر ہے کہ نماز سے بڑھ کر تعلق مع اللہ کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ اور زندگی کی پاکیزگی کا تقویٰ سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں۔ ایک کی ہدایت اللہ نے کی اور ایک کی وصیت رسول اللہ نے کی۔ اب آگے کسی کی نصیحت کا مقام ہی کیا رہ جاتا ہے۔ کہ کوئی ناصح بن کر آپ کے سامنے آئے۔ اس لئے میں نے آیت، روایت اور سلف کی روایت سے یہ تین باتیں عرض کر دی ہیں۔ انہی کو آپ میری نصیحت بھی شمار فرمائیں گے۔ تو یہ وہی آپ کے حسن ظن کا کرشمہ ہوگا۔ جس کے لئے آپ ہی ستائش و تبریک اور دعا کے مستحق ہوں گے۔ ان کلمات کے ساتھ آپ سے اپنے حق میں دعا کی التجا پر اس نامۂ پریشان کو ختم کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام ——

جدید داخلہ

مدرسہ عربیہ تعلیم الدین بھیرہ میں درس نظامی

کا جدید داخلہ ۱۰ شوال سے شروع ہوگا۔ اور چونکہ داخلہ محدود ہوگا لہذا رمضان المبارک کے اندر ہی خط کے ذریعہ معلومات حاصل کریں

احقر عبدالرشید ناظم مدرسہ عربیہ تعلیم الدین بھیرہ ضلع سرگودھا

ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ

دعوات عبدیت حق

ضبط و ترتیب ادارۃ الحق

کامیاب و بامراد زندگی

یہ تقریر ایک مخلص اور صالح شخص کے جنازہ پر کی گئی

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) محترم بزرگو! ایک انسان وہ ہے جس کی زندگی اپنے فائدہ کیلئے ہو ہر شخص اپنا گھر بناتا ہے، جائداد بناتا ہے۔ اپنی ذات کی ترقی اور بقاء کے لئے کوشش کرتا ہے۔ ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو اپنے کنبہ اور برادری کا خیال رکھتا ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے۔ احسان اور ہمدردی غیروں سے بھی موجب اجر و ثواب ہے مگر رشتہ داروں کے ساتھ دو اجر اور دو ثواب ہیں تو بعض افراد اپنے کنبہ اور خاندان کے مفاد کو ڈھونڈتے ہیں۔ اور ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو کل مخلوق اور تمام مسلمانوں کا خیر خواہ ہوتا ہے یہ بہت اونچا مقام ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ الخلق عیال اللہ فی الارض فاحبھم الی اللہ احسنھم الی عیالہ۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے پس اللہ کو وہ شخص زیادہ پسند ہے۔ جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا ہو۔

یہ ساری مخلوق اللہ کے ہاتھ کی صناعی اور کاریگری ہے۔ اور اگر کسی سے ہمیں مجازی محبت بھی ہو تو اس کے ایک ایک خط اور ایک دستخط سے بھی محبت کی جاتی ہے کہ دوست کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ مخلوق بھی اللہ کی دستکاری ہے۔ یہ وجود اللہ نے دیا۔ یہ آنکھیں ناک کان ہاتھ پاؤں یہ ساری نعمتیں کس نے پیدا کیں۔ ؟ کسی سائنسدان نے اب تک اس کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ یہ سب اللہ کے ہاتھ کی صنعت ہے۔ اس نے اپنے ید قدرت سے یہ سب کچھ بنایا۔ تو جو اللہ سے محبت کرے گا، ضرور اس کو مخلوق سے بھی محبت ہوگی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ارادہ کیا بددعا کا کہ یا اللہ عرصہ دراز تک وعظ و نصیحت کارگر نہ ہو سکی اگر یہ لوگ تباہ ہو جائیں تو بہتر ہوگا ــــ قربان جاؤں اللہ کی رحمت سے کہ جواب میں فرمایا کہ

فلاں کمہار نے برتنوں کی بھٹی تیار کی ہے، تم جا کر ایک پتھر اٹھاؤ اور کمہار سے برتنوں کی بھٹی پر دے مارنے کی اجازت مانگ لو، حضرت نوحؑ نے آکر کمہار سے اپنے اس شوق کا اظہار کیا اس نے حیرت ظاہر کی کہ اپنے ہاتھ سے مٹی گوندھ کی پھر صاف کرائی کتنی محنتوں سے یہ برتن تیار ہوئے، اب میں تجھے کیسے اجازت دوں خواہ دس لاکھ روپیہ بھی ملیں مگر اس محنت کی اسطرح بربادی پر میرا دل کیسے آمادہ ہوسکتا ہے کوئی تجھے اجازت نہ دے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مخلوق تو میں نے اپنے ید قدرت سے پیدا کی ہے۔ تجھے کیسے اس کی بربادی کی اجازت دوں۔ جب وقت مقرر آیا اور بندوں نے خود چاہا تو عذاب آگیا۔۔۔۔

۔۔۔۔ تو اللہ کی نظر میں وہ محبوب ہے جو اللہ کی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ جو اللہ کے نزدیک بمنزلہ عیال ہے۔ تو جب جان ومال، اولاد سب کچھ نہ اپنا نہ قوم نہ کنبے کا بلکہ اسلام اور تمام مسلمانوں کے لئے ہو جائے تو ایسا شخص بامراد اور کامیاب زندگی والا ہے۔ پھر ایسے شخص کی جدائی کا صدمہ بھی کسی ایک کا نہیں بلکہ سب کا صدمہ ہوتا ہے۔ ایسے شخص پر صرف اپنوں، کی آنکھیں نہیں روتیں بلکہ وہ جگہ جہاں وہ نماز پڑھتا تھا تہجد پڑھتا تھا، اشراق پڑھتا تھا۔ تلاوت کرتا تھا وہ سب مقامات اس کی جدائی پر روتے ہیں۔ نہ صرف زمین بلکہ آسمان کے وہ دروازے بھی جن سے اس کے اعمال صالحہ اوپر جاتے ہیں وہ بھی گریہ کناں ہوتے ہیں۔ کہ اس شخص کے اعمال خیر اب کیوں نہیں آتے، بند کیوں ہوگئے۔ کفار کے بارہ میں آتا ہے کہ ان کی تباہی پر نہ آسمان روتے ہیں نہ زمین ۔۔۔۔ فما بکت علیہم السماء والارض ۔۔۔۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ اور عباد صالحین کی جدائی پر سب روتے ہیں۔

بھائیو! کامیاب زندگی یہی ہے کہ مقصد کو پہچان کر زندگی گذاردی جائے اور رب العزت کی قسم زندگی کا مقصد صرف عبادت اور ہر وقت اسے اللہ کی تابعداری میں گذارنا ہے۔ زندگی تو ختم اور فانی ہونے والی چیز ہے۔ ہم اور آپ سب جائیں گے۔ کوئی کسی میت کے ساتھ قبر میں دفنایا نہیں جاتا دفن بھی ہو جائے تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ سب کچھ یہاں رہ جائے گا۔

ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق۔ یہ صحت جائداد جوانی، علم، مال و دولت، خویش واقارب سب کچھ یہاں رہ جائے گا۔ وما عند اللہ باق۔ اور اللہ کے خزانہ میں جو اعمال وافعال، اقوال جمع کرائے اور روابط پیدا کئے وہی کام آئیں گے۔ قبر میں۔ دائیں جانب نماز چوکیدار بن کر کھڑی ہو جائے گی سرہانے قرآن مجید آجائے گا۔ بائیں جانب روزہ ہوگا۔ اور قدموں کی جانب

تہجد یا صدقہ آجائے گا۔ اور یہ ایسا ہے کہ کسی کو پولیس گرفتار کرنا چاہے اور کسی وقت اس کو خدمات کے تمغے اور سرٹیفکیٹ ملے ہوں تو آسے دیکھ کر پولیس معذرت خواہ ہو جاتی ہے کہ میرے پاس تو ایسا پروانہ ہے بادشاہ کا اسی طرح قرآن خدا کا پروانہ ہے۔ قبر ہر روز صدا دیتی ہے کہ انا بیت الغربۃ میں وحشت اور تنہائی کا گھر ہوں۔ انا بیت الظلمۃ۔ میں اندھیروں کی جگہ ہوں۔ انا بیت الدود۔ میں کیڑے مکوڑوں کی جگہ ہوں تم اپنے گھر میں بستر اور روشنی کا انتظام کرتے ہو، میں مٹی کا گھر ہوں یہاں نہ بستر ہے نہ روشنی۔ یہاں کے لئے بھی بستر لاؤ قبر کو روشن کرنے کا سامان لاؤ۔ اور کامیاب زندگی والا ہر وقت موت کیلئے تیار رہتا ہے۔ اس نے وہاں کے لئے اسباب وسامان کا انتظام کیا ہوتا ہے حضرت بلال بیمار ہیں، آخری وقت اپنے پرائے روتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ کیوں روتے ہو، ہنسو خوشی مناؤ، غم مت کرو، میں تو اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دوستوں سے ملنے والا ہوں ۔

غداً القی الاحبۃ محمداً و حزبہ

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگی۔

قبر کی منزل میں پوچھا جاتا ہے کہ من ربک تیرا رب یعنی پالنے والا کون ہے۔ ملازمت، تجارت، زراعت نے تیری پرورش کی یا رب نے۔ ؟ تو جو کچھ کر رہا تھا دنیا میں، کہیں خدا کی ذات کو تو پس پشت نہیں ڈالا۔ ؟ رزاق اپنے کاروبار کو بنا لیا تھا۔ تو رب کو کیسے رازق کہتے تھے۔ ؟ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان چیزوں کیلئے نماز، اور عبادت نہ چھوڑتے۔ تو وہاں قبر میں چالاکی اور جھوٹ نہیں چلے گا صاف کہہ دیا جائے گا کہ فلاں کام، معاش اور صنعت کو تو نے رب سمجھا تھا۔

کتابوں میں آتا ہے کہ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ارواحنا کا چہرہ انور سامنے کر دیا جائے گا۔ اور پوچھا جائے گا کہ اس ہستی کے بارہ میں کیا کہتے ہو۔ ؟ علماء نے اس کی کئی توجیہ کی ہیں ایک رائے یہ ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں کے لئے اس وحشت وظلمت کی منزل قبر میں اس سے بڑی نعمت دوسری نہیں ہوسکتی جس سے انہیں سکون اور انس حاصل ہو جائے۔ ایسے عالم میں حضورؐ کا دیدار کرا کر اس سے دنیا کا سب کچھ بھلا دیا جائے گا۔

بھائیو! ہمارے دلوں میں وہ عشق نہیں جو چاہئے۔ اگر آج بھی ہمیں کہا جائے کہ اس دیوار یا پہاڑ کے پیچھے تمہیں حضورؐ کا دیدار کرایا جاتا ہے۔ تو اس کے بدلے ہزار جان ومال اور سب کچھ قربان کرنے کے لئے حضورؐ کا ادنیٰ امتی تیار ہو جائے گا۔ تو جب قبر میں حضورِ انورؐ کا دیدار ہوتا ہوگا تو کتنی تسلی اور سکون مل جاتا ہوگا۔ اب جو بدبخت ہوں گے حضورؐ سے اپنا تعلق قائم نہیں کریں

گے، اپنا رشتہ کاٹ لیں گے تو وہ کب صحیح جواب دے سکیں گے۔ اور جن کی صورت وسیرت حلیہ سب کچھ حضورؐ کی سنت کے خلاف ہوگا تو حضورؐ اسے دیکھ کر کتنے خفا ہوں گے۔ بہت سے بدقسمت ہیں کہ مرتے دم تک اور مرنے سے ذرا پہلے بھی اپنی ڈاڑھی منڈوا دیتے ہیں، شیو کرتے ہیں۔ اور پورا حلیہ سنت کے خلاف لیکر قبر میں پہنچتے ہیں۔ ایسے لوگ حضورؐ کا سامنا کیسے کریں گے۔ نہ صورت سنت کے مطابق نہ لباس نہ عادات واطوار نہ اعمال وافعال۔

الغرض حضورؐ کی زیارت سے ساری وحشت اور پریشانی دور ہو جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی سے سنا کہ "یا اللہ" اتنا لطف آیا کہ دوبارہ اسے اللہ کا نام بلند کرنے کا کہا۔ اس نے کہا جان ومال اور ساری متاع نذرانہ میں پیش کر دو تب کہوں گا۔ فرمایا سب قبول ہے۔ مگر ایک بار پھر اللہ کا نام لو ــــ بہرحال جس نے عالم آخرت کی تیاری کی وہ بامراد اور کامیاب ہے۔ ہر وقت اللہ سے طلب مغفرت ضروری ہے۔ دنیا تو مصیبتوں کی جگہ ہے ہم طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا رہتے ہیں اور اس کے کچھ اسباب ظاہری ہوتے ہیں، کچھ حقیقی، رحم مادر میں ہماری زندگی تکالیف اور آلام سے خالی تھی۔ تو اس لئے کہ اس سے پہلے اور وہاں گناہوں کا صدور نہیں ہوتا تھا۔ حسن بصریؒ کو لوگ تکالیف کی شکایت لے کر آتے، فرمایا استغفار کرو کہ اے اللہ میں ساری حق تلفیوں کا قصوروار ہوں۔ آنکھوں سے آنسو بہانا دل میں اپنے کو گناہ پر نادم سمجھنا اور آئندہ کے لئے قصد کرنا کہ اگلی زندگی پچھلی نافرمانیوں جیسی نہ ہوگی۔

استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ اسے استغفار کہتے ہیں۔ دوسرے نے حسن بصریؒ کے پاس آکر کہا اولاد نہ ہونے کی شکایت کی اسے بھی استغفار کرنے کا حکم دیا۔ تیسرا آیا، فقر وفاقہ کی شکایت کی اسے بھی یہی فرمایا، چوتھا آیا اور زمین وباغات کی بربادی اور خشک سالی کی شکایت کی اسے بھی کہا کہ استغفار پڑھو۔ گویا چار مریض آئے اور سب کو ایک ہی نسخہ بتلا دیا۔ کسی نے پوچھا کہ سب کو استغفار بتایا۔ حسن بصریؒ نے آیت تلاوت کی کہ: استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم انہرا۔

تو استغفار کا جتنا ورد ہو سکے کیا کرو۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کپڑے کو صابن اور مسالوں سے دھو لیا جائے۔ اس طرح قلب زنگ آلود ہوتا ہے۔ تو اسکی جلاء اور صفائی استغفار سے ہوتی ہے۔ اللہ کے سامنے اظہار ندامت وشرمندگی سے گریز کرنا تو ابلیس کا شیوہ ہے وہ فرشتوں کے زمرہ میں شمار تھا۔ مگر ایک بات نہ ماننے سے مردود ہوا۔ ہم کتنے بیشمار کام نافرمانی

کے کرتے ہیں۔ ابلیس ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون ہوا۔ ہم ہر روز پانچ نمازوں کی ہر رکعت کے دو دو سجدوں سے بے پرواہی برتتے ہیں۔ پھر اللہ کی ناراضگی کتنی ہوگی ۔۔؟ ابلیس نے اللہ کے حکم میں عقل کا دخل دیا کہ یہ حکم آپ کا فٹ نہیں، جیسے کہ آج کل کے روشن خیال کہتے ہیں کہ یہ تو عقل کے خلاف ہے اس کی حکمت و فلسفہ سمجھ میں نہیں آتا ۔۔۔۔۔

تو ابلیس نے غرور کیا، ہمارے جد امجد حضرت آدمؑ سے ایک بات سرزد ہوئی مگر رونے لگے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین ۔۔۔۔ اللہ کو عاجزی پسند ہے۔ تو رجوع بالرحمۃ ہوئی اور سب کچھ معاف کر دیا۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اے بندے تیرے گناہ اگر آسمان تک بھی پہنچ جائیں مگر دل میں ندامت ہوئی، اشک ندامت بہائے تو وہ سب بخشدیتا ہوں۔ تو استغفار بڑی چیز ہے۔ شیطان مردود ہوا، تو بجائے استغفار کے چیلنج دیا کہ اس انسان کی وجہ سے مجھے مردود کیا۔ تو اب ہر طرح اسے گمراہ کروں گا۔ ثم لآتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم ولا تجد اکثرھم شاکرین ۔ چو طرفہ اس پر حملہ کروں گا۔ آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اور اسے نافرمانی میں مبتلا کروں گا۔ مختلف طور پر اسباب گمراہی کے مہیا کروں گا۔ اس آیت میں چاروں طرف کا ذکر تو ہے مگر اوپر سے بمباری کا نہ کہا کہ لآتینھم من فوقھم۔ اس لئے کہ اوپر کا راستہ رحمت خداوندی کیلئے کھلا ہے۔ جیسا کہ افلاطون نے حضرت موسیٰؑ سے سوال کیا کہ آسمان جو چاروں طرف سے محیط ہے اگر یہ کمان بن جائے اور تیر انداز اللہ ہو جو ہر طرف سے آفات و شدائد کے تیر برسائے تو بچنے کی صورت کیا ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ نے فوراً کہا کہ تیر چلانے والے کے دامن میں آجاؤ۔ چاند ماری کرنے والے کی بغل میں کھڑے ہو جائیں تو زد میں نہیں آؤ گے۔ گویا کہا کہ اس کا دامن پکڑو تو بچ جاؤ گے۔

تو بھائیو! ابلیس نے جب اتنا بڑا دعویٰ کیا۔ تو اللہ نے جواب میں فرمایا: لا ازال اغفرھم ما استغفروا۔ تو جو بھی کرے میں اپنے بندوں کو بخشتا رہوں گا۔ بشرطیکہ وہ بخشش کے طلبگار ہوں۔ ہزاروں ماں باپ، حاکم، استاد، بادشاہ، بہن بھائی کی شفقت ایک طرف۔ سب اللہ کی شفقت پر قربان ہوں۔ انسان سے جتنے گناہ بھی بمقتضائے بشریت سرزد کیوں نہ ہوں مگر رونے احساس گناہ کی وجہ سے، تو یہ بھی غنیمت ہے، اللہ معاف کر دیتا ہے۔ مگر آج تو گناہ کا احساس ہی ختم ہو گیا ہے۔ گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا یہ بھی شیطان کی چال ہے۔ اس نے سوچا کہ میں اسے